ارشد مسعود ہاشمی

پروفیسرو صدر، شعبۂ اردو، جے پرکاش یونیورسٹی، چھپرہ (بہار، ہندوستان)

سنسکرت کی شاہی سرپرستی اور سلطان محمود شاہ اول

Arshad Masood Hashmi
Professor & Head, Department of Urdu, Jai Prakash University, Chapra (Bihar, India)

Royal Patronage of Sanskrit & Mahmood Shah I

It is a common notion that during the reign of Muslim kings or Sultans, Sanskrit was not given much attention, and that was one of the reasons it declined. Many research papers have appeared from time to time in support of and against this idea. Similarly, there are many contradictory statements in the books of History regarding Sultan Mahmood Shah I of Gujarat. Scholarships in recent years have pointed out some data that disprove many of the things that have been said about Mahmud Shah I. One of the aspects that have been highlighted is that he was not only a lover of Sanskrit language and literature, but also a mentor of Sanskrit, and in his court, a Sanskrit poet had the status of Malek-ush Sho'ara.

Keywords: *Sultan Mahmood Shah I, Sanskrit, Rajvinod, Royal Patronage, Muslim Rulers and Sanskrit, Gujarati Sultans and Sanskrit.*

سلاطین گجرات میں سلطان البر و سلطان البحر ابوالفتح ناصر الدین ملقب بہ سلطان محمود شاہ اول (۲۵/ مئی ۱۴۵۸ء تا ۲۳/ نومبر ۱۵۱۱ء) کو کئی معنوں میں سب سے اہم اور طاقتور سلطان تصور کیا جاتا ہے۔

سکندر ابن محمد (عرف منجھو ابن اکبر) کی کتاب 'مراۃ سکندری' (۱۶۱۱ء) کے بارھویں باب بعنوان 'ذکر جلوس سلطان محمود بیکرہ بر تخت جہانبانی و فتح قلعہ جوناگڑھ و چاپانیر بتائید ربانی' کے ابتدائی حصوں میں موجود گجرات کے مظفری سلطان محمود شاہ اول (۱۴۵۸ء۔۱۵۱۱ء) کی اسلام دوستی، اشتہا اور شہوت کے بیانات پہ عموماً اتنی توجہ دی گئی کہ ان سے ہی محمود شاہ کی شناخت قائم کی جانے لگی۔ سلطان سے متعلق مغربی ہی نہیں مشرقی تاریخوں میں بھی یہی تین عوامل ایسے قرار پائے جن سے اس کی شخصیت اور بادشاہت دونوں ہی کے تار و پود تیار ہوتے تھے۔ لیکن کتاب ہذا کے اسی حصے میں اس کی تخت نشینی کے ذکر کے ساتھ یہ بیان بھی موجود ہے:

کہ سلطان دین پناہ محمود شاہ بیکرہ بروز یکشنبہ شہر شعبان ۸۶۳ ثلث و ستین و ثمانمایہ در شہر معظم احمد آباد بر تخت سلطنت قدم نھاد بجلوس مبارک خویش ولایت گجرات رازیب و زینت داد۔۔۔ مخفی نماند کہ سلطان بہترین سلاطین گجرات است چہ از ماتقدم و چہ از ما تاخر ہم در کثرت عدل و ہم در اہتمام غزاو رعایت احکام اسلام و مسلمانان و ہم در سخاوت و فتوت۔ [۱]

(سلطان دین پناہ محمود شاہ نے بروز اتوار، ماہ شعبان المکرم ۸۶۳ھ کو شہر معظم احمد آباد میں تخت سلطنت پہ قدم رکھا اور اس جلوس مبارک سے ولایت گجرات کو زیب و زینت بخشی۔۔۔ پوشیدہ نہ رہے کہ سلاطین گجرات میں سلطان بہترین ہے، کیا قدما میں، اور کیا موخرین میں۔ کثرت عدل میں بھی، مقدس جنگوں کے اہتمام، اور اسلام اور مسلمانوں کے احکام کی رعایت میں بھی۔ سخاوت میں بھی سب سے بڑھا ہو)۔

اس باب میں اس کی فتوحات کے ذکر کے ساتھ ہی بطور بادشاہ اس کے بے مثل کارناموں کی قابل قدر تفصیلیں موجود ہیں، اور یہ بیان بھی پیش کیا گیا ہے کہ 'وضیع و شریف گجرات متفق بر ایند کہ مثل سلطان محمود بیکرہ پادشاہی از پادشاہان گجرات نبودہ'۔ [۲]

بیگڑہ' کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں 'مراۃ سکندری' کے الفاظ ہیں کہ:

بعضی از اہل گجرات وجہ تسمیہ بیکرہ را چنین نقل میکنند کہ بیکرہ بزبان ہندی گاو یرا گویند کہ شاخھای چپ و راست مثل دو دست کسیکہ بہ بغل گیری کشادہ کند بر آمدہ باشد و بروتھای سلطان ستبر و دراز بودند مثل شاخھای مذکور در عرف بچنین لقب شہرت یافت بعضی میگویندبی بزبان ہندوان گجرات عدد دو را گویند و چون سلطان دو قلع را فتح کردہ بود یکی جونہ گڑہ و یکی چانپانیر از این جہت سلطان محمود بیکڑہ گویند۔ [۳]

(زبان ہندی میں بیگڑہ اس سانڈ کو کہتے ہیں جس کی سینگیں بغل گیری کے لیے کھلے دو بازوؤں کی مانند اگی ہوتی ہیں۔ سلطان کی مونچھیں لمبی اور اوپر کی جانب اٹھی رہتی تھیں اس لیے ان سینگوں کی مانند دکھتی تھیں۔ لہذا وہ اسی مناسبت سے اس لقب سے مشہور ہو گیا۔ بعض یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ گجراتی ہندوؤں کے یہاں دو کا عدد بے کہلاتا ہے اور اس زبان میں قلعہ کو گڑھ کہا جاتا ہے۔ سلطان نے ایک جونا گڑھ اور دوسرا چانپانیر کا قلعہ فتح کیا تھا۔ اس وجہ سے بھی اسے سلطان محمود بیگڑہ کہتے ہیں)۔

ظفر خان گجرات کی مظفر شاہی خود مختار سلطنت کا بانی تھا۔ اس سے قبل وہ دلی سلطنت کے ذریعہ مقرر کردہ گجرات کا صوبہ دار رہ چکا تھا۔ اس کا لقب مظفر خان تھا۔ خود مختاری کے بعد اس نے مظفر شاہ اول کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ اس کے بعد شمس الدین محمد شاہ اول، ناصر الدین احمد شاہ اول (جس نے شہر احمد آباد بسایا تھا)، محمد شاہ ثانی زر بخش، قطب الدین جلال خان، معزالدین محمد شاہ ثانی، قطب الدین احمد شاہ ثانی، داؤد شاہ اور پھر ابوالفتح ناصر الدین محمود شاہ اول بیگڑہ سلطان البر و سلطان البحر نے گجرات پہ حکومت کی۔ دو محلوں سے محمد شاہ ثانی زر بخش کے دو بیٹے

تھے، جلال خان اور فتح خان۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا جلال خان، قطب الدین احمد ثانی بن کر ۱۴۵۱ء میں تخت پہ قابض ہو گیا۔ وہ فتح خان کا سوتیلا بھائی تھا اور ہمہ دم اسے اور اس کی ماں کو قتل کرنے کی تدبیروں میں مصروف رہتا تھا۔ اس دہشت کی وجہ سے فتح خان کی ماں، بی بی مغلی (یا بی بی مغلانی)، اپنے بیٹے کے ساتھ بھاگ کر بی بی مرکی کے یہاں پناہ گزیں ہو گئی۔ بی بی مغلی اور بی بی مرکی (اَرپنا کپاڑیا نے سہواً بی بی ترکی لکھ دیا ہے) بہنیں تھیں، اور موخر الذکر مرشد وقت شاہ عالمؒ کی اہلیہ بھی تھی جس کے انتقال کے بعد شاہ عالمؒ نے بی بی مغلی سے نکاح کر لیا تھا۔ اس لحاظ سے عہد طفولیت سے ہی فتح خان کو شاہ عالمؒ کی شفقتیں حاصل رہیں اور انھوں نے کئی محاذ پہ اپنی روحانی طاقتوں سے اس کی حفاظت بھی فرمائی۔ فتح خان نے سلطان محمود کی حیثیت سے ۱۴۵۸ء میں کاروبار سلطنت سنبھال لیا۔ تب اس کی عمر کم و بیش تیرہ سال تھی۔ مظفر شاہی سلطانوں میں اسلام دوستی کے ساتھ ہی علاقائی تہذیب و معاشرت سے دلچسپیاں بھی ہمیشہ قائم رہیں۔ سلطان احمد شاہ اول علم پرور بادشاہ تھا اور اس کی شہرت حجاز و مصر تک تھی۔ 'مراۃ سکندری' میں اس کے سلسلے میں یہ بیان موجود ہے کہ اس نے سن بلوغ سے وفات تک نماز فجر کبھی قضا نہیں کی۔ وہ اپنی سخاوت، عدل و انصاف، تقویٰ اور پرہیز گاری کی وجہ سے بھی مشہور تھا۔ اس کے ولی عہدوں میں بھی یہ خوبیاں موجود تھیں۔ ان میں سلطان محمود شاہ اول ہر لحاظ سے ایک کامیاب اور طاقتور سلطان تھا جس نے مذہبی رواداری کا بھرپور مظاہرہ بھی کیا تھا۔

سلطان احمد شاہ کے پوتے فتح خان عرف سلطان محمود شاہ بیگڑہ کا پچاس سالہ دور حکومت گجرات میں علوم دینیہ کی ترقی کا زریں دور شمار ہوتا ہے۔ ان کا دربار عرب اور دیگر ممالک کے علمائے دین سے ہمیشہ بھرا رہتا تھا۔ ان کے زمانۂ حکومت میں حجاز و یمن و مصر سے گجرات آنے والے مشاہیر علما و مشائخ میں علامہ ابن سوید، حدیث میں جن کی فضیلت کے پیش نظر سلطان محمود نے انھیں ملک المحدثین کا خطاب عطا کیا تھا، سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں۔ [۴] اس نے مکہ میں 'الکنبایتیہ' کے نام سے ایک رباط کی تعمیر بھی کروائی تھی جس میں طلبا کو دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کے اخراجات کے لیے وظائف کا نظم بھی تھا۔ شاہ عالمؒ کی تربیت کی وجہ سے سلطان محمود شاہ اول دینی امور میں بھی خاطر خواہ دلچسپی لیتا تھا۔

پرتگیزوں سے جنگ کی وجہ سے ان کے ذریعہ سلطان محمود کے قصے ہندوستان سے باہر بھی پھیلائے گئے لیکن ان قصوں میں صداقتیں کم اور سلطان کی کردار کشی کے جذبات زیادہ تھے۔ انگریزی کے شاعر Samuel Butler نے ایک طویل ہجویہ نظم Hudibras لکھی تھی جس میں ان پرتگالی بیانات کی روشنی میں اس نے سلطان محمود کو بھی طنز و استہزا کا موضوع بنایا تھا۔ اس میں بٹلر سلطان کی خوراک اور شہوت کا ذکر کرتا ہے: [۵]

لیکن پچھلے چند برسوں میں سلطان محمود کے سلسلے میں چند تحقیقات منظر عام پہ آئی ہیں جو اس قسم کے رائج خیالات کی تردید کے ساتھ ہی اس سے متعلق مختلف فارسی مآخذ میں موجود ان بیانات کو مزید تقویت عطا کرتی ہیں جن میں دیگر دکنی سلاطین کی مانند اسے بھی ہندوستانی معاشرتی روایات کا دلدادہ ہی نہیں، پاسدار بھی کہا گیا ہے، اور یہ کہ اس کے سلسلے میں مذہبی سخت گیری کی جو بعض مثالیں پیش کی جاتی رہی ہیں وہ مذہبی ہونے کی بجائے سیاسی نوعیت کی

تھیں۔ اس ضمن میں ماضی قریب میں اَپَرنا کپاڑیا نے ۲۰۱۰ء میں یونیورسٹی اوف لنڈن میں ڈاکٹریٹ کی سند کے لیے جمع کیے گئے تحقیقی مقالہ، ۲۰۱۸ء میں Luther Obrock نے ایک تحقیقی مضمون اور پھر ۲۰۱۹ء میں Manu S Pillai نے اپنی کتاب The Rebel Sultan میں سلطان محمود شاہ اول کی فرمانروائی کے ذکر کے دوران ان پہلوؤں کو بطور خاص اہم تصور کیا ہے جن سے علاقائی تہذیب و معاشرت سے اس کے مضبوط و مستحکم روابط، مذہبی رواداری، رعایا سے محبت، بہترین عسکری و انتظامی صلاحیتوں اور سلطنت کی ہمہ جہت ترقی کے پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ ان سے قبل 'مراۃ سکندری' کے علاوہ 'تاریخ محمود شاہی' میں عبدالکریم ہمدانی اور 'تاریخ فرشتہ' میں محمد قاسم فرشتہ اور ان کے حوالے سے History of Gujarat (مصنف James M Campbell) نے بھی محمود شاہ کی ان صلاحیتوں کا بیان اور اعتراف کیا تھا۔

مراۃ سکندری کا قدیم ترین مخطوطہ ۱۶۱۳ء کا ہے جو فرانس کے قومی کتب خانہ، پیرس میں موجود ہے۔ اس کا ۱۶۱۴ء کا ایک مخطوطہ ہندوستان میں پونے کی بھارت اتیہاس سنشودھک منڈل میں محفوظ ہے۔ سلطنت گجرات کے مورخین ان تصانیف کو ہمیشہ اہم مآخذ کی حیثیت سے استعمال کرتے رہے ہیں۔ پونے والے مخطوطہ کی دریافت پروفیسر ایم اے چغتائی نے کی تھی۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:

> "مراۃ سکندری کو عموماً گجرات سلطنت (۸۰۶ھ۔ ۹۸۰ھ / ۱۴۰۳ء۔ ۱۵۷۲ء) کی مکمل اور مستند تاریخ تصور کیا جاتا ہے، جس کی تالیف 'مراۃ احمدی' (سال تکمیل ۱۱۷۴ء) کے مطابق، زوال سلطنت کے چالیس برسوں کے بعد ۱۰۲۰ ھ مطابق ۱۶۱۱ء میں ہوئی تھی۔... بھارت اتیہاس سنشودھک منڈل، پونہ، میں موجود مخطوطہ کے ترقیمہ میں لکھا ہے کہ 'کتبہ ھذالکتاب فقیر حقیر مرتضی بن شیخ طاہر بن میاں خان تمام شد روز جمعہ تاریخ ۳/ جمادی الآخر سنہ ۱۰۲۳ھ' (مطابق ۱۱/ جولائی ۱۶۱۴ء)۔ اس ترقیمہ سے یہ شہادت ملتی ہے کہ ۱۰۲۰ ھ میں اس کتاب کی تالیف کے تیسرے برس اسے لکھا گیا تھا"۔ (۶)

دیگر سلاطین گجرات کے ساتھ ہی سلطان محمود شاہ اول کے حالات جن حوالوں سے رقم کیے گئے ہیں، ان کی تفصیلات بھی اس کتاب میں درج ہیں۔ اس لحاظ سے ایک طویل عرصے تک سلاطین گجرات کی تاریخ کے سلسلے میں یہ کتاب اولیت کی حامل رہی ہے۔ لیکن متذکرہ اصحاب کے یہاں اس کتاب کے علاوہ ایک سنسکرت شعری ماخذ (مہا کاویہ) "راج وِنود مہاکاویم" کا ذکر ملتا ہے جس میں سلطان محمود شاہ اول کے حالات پیش کیے گئے ہیں۔ اس شعری تخلیق کی اہمیت کی تین وجوہ ہیں۔ پہلی تو یہ کہ اسے سلطان شاہ اول کے دور سلطنت میں ہی اس کے ایک برہمن درباری شاعر جو اس کے دربار کا ملک الشعرا بھی تھا، کے ذریعہ لکھا گیا۔ دوسری یہ کہ اس کی زبان سنسکرت ہے، اور تیسری وجہ یہ ہے اس تخلیق سے 'مراۃ سکندری' میں سلطان محمود کے سلسلے میں پیش کیے گئے معاملات کی توثیق بھی ہوتی ہے۔ ان

تینوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھیں تو علم ہوتا ہے کہ سلطان محمود اپنی مذہبی رواداری میں بے مثل تھا، وہ علوم دینیہ ہی نہیں، علم وادب، فنون طیفہ، صنعت وحرفت کی مجملہ شاخوں کا پاسدار بھی تھا۔

سلطان محمود شاہ اول کے دربار میں علما و فضلا کے ساتھ ہی موسیقاروں، مصوروں، شاعروں اور نجومیوں کی وسیع تعداد موجود تھی۔ ان میں ہندو مسلم سبھی شامل تھے۔ اس نے جلال خان کی موت کے بعد اس کی بیوہ رانی روپ متی (روپ منجری) کو حرم میں شامل کر لیا تھا۔ روپ متی کے انتقال کے بعد اس نے اس کا مقبرہ بھی تعمیر کروایا۔ دیگر دکنی سلاطین کی مانند وہ بھی سنسکرت کا قدر داں تھا۔ دکنی سلاطین نے درحقیقت سولھویں سے اٹھارویں صدی کے درمیان سنسکرت کے فروغ میں بے مثل خدمات انجام دی تھیں۔ ان زمانوں میں سنسکرت کے فروغ کا اختصاص یہ تھا کہ وہ مذہبی زبان کی بجائے سیاسی قوت کی شکل میں استعمال کی جانے لگی تھی۔ مظفر شاہ سلاطین نے سنسکرت کو عوامی رابطے کی زبان کے طور پہ بھی فروغ دیا۔ بقول اَپَرنا کپاڑیا:

> سلطنت کے درباروں اور رجواڑوں کے علاوہ سنسکرت کا استعمال مذہبی امور کے ساتھ ہی معاشرتی تناظر میں بھی اہم تھا۔ اسے عوام سے وابستہ رکھنے کے لیے اس میں گجراتی الفاظ بے دریغ شامل کیے جاتے تھے۔... احمد آباد کے سلطان کا سنسکرت کی کفالت کرنا یہ بھی واضح کرتا ہے کہ گجرات کے تمام علاقوں میں سنسکرت کا استعمال رائج تھا۔ گجرات میں پندرھویں صدی سے ہی سنسکرت پرَشَستیوں (توصیفی کتبوں / سپاس ناموں) کا وسیع استعمال ملتا ہے۔ یہ پہلو قابل غور ہے کہ سلطان اور علاقائی حکام کے ساتھ ہی سوداگروں، درباریوں اور خواتین نے بھی دوسری زبانوں کے ساتھ ہی سنسکرت میں کتبے کنندہ کروانے میں ہمیشہ ہی دلچسپی لی۔ فارسی، عربی، سنسکرت، گجراتی کی مختلف بولیاں، یہ سب ان کتبوں میں استعمال کی گئی ہیں۔ ان میں سے کئی دولسانی اور بعض سہ لسانی بھی ہیں جنھیں لکھنے کی ذمہ داری نامور شاعروں کو دی جاتی تھی اور ان کی سرپرستی بھی کی جاتی تھی۔ (۷)

گجرات کے مسلم امرا اور رؤسا بھی سنسکرت کتبوں کا استعمال کرتے تھے۔ سمیرہ شیخ نے ان کتبوں کے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا جب گجری اپنے رنگ روپ اختیار کر رہی تھی۔ (۸) پندرھویں صدی کے وسط میں وجے نگر کا ایک سنسکرت شاعر گنگا دھر گجرات کے سلطان محمود کی سلطنت کی سیر کے لیے دوارِکا سے احمد آباد کے سفر پہ گیا تھا۔ وہ مختلف درباروں میں ادبی یا شعری مناظروں یا مقابلوں میں شامل ہو کر اپنی زبان دانی اور علمیت کے مظاہرے کرتا تھا۔ اس نے چمپانیر اور احمد آباد کے سفر کے دوران ان سلطنتوں کے پس منظر میں 'گنگا داس پرتاپ وِلاس ناٹکم' کے عنوان سے نوایکٹ پہ مشتمل منظوم سنسکرت ڈراما قلمبند کیا تھا جس میں سلطان (احمد شاہ) خود سنسکرت میں ہی بولتا ہے لیکن اس کی فوج کے مسلم سپاہی ایسی زبان استعمال کرتے ہیں جو نہ تو سنسکرت ہے، نہ فارسی، نہ ہی پراکرت۔ (۹) سلطان کے لیے سنسکرت لفظ 'سُر تران' (خداؤں کا محافظ) کی اختراع کی گئی تھی اور یہ گجرات میں

سلطان کے دربار، امرا، رؤسا اور عوام کے درمیان بھی رائج تھا۔ کپاڑیا نے مختلف حوالوں اور شواہد کی روشنی میں اسے گجری کا نام دیا ہے اور لکھا ہے کہ ایک جانب دربار سلطانی اور رؤسا کی محفلوں میں فارسی کے ساتھ سنسکرت کے وافر استعمال کا چلن تھا، تو دوسری جانب گجراتی سلطنت گجری کی بھی پشت پناہی کر رہی تھی اور یہ عوام کے درمیان بھی مستعمل ہونے لگی تھی۔ (۱۰)

سلطان محمود شاہ اول نے بھی سلطنت کی ان لسانی بو قلمونیوں کی روایتوں کو زندہ رکھا اور ان کی سرپرستی کی۔ اس کے دربار میں اور اس کے رؤسا کے درمیان بھی فارسی، سنسکرت اور گجری کے استعمال کی شہادتیں ملتی ہیں۔ سنسکرت میں عربی، فارسی اور قدیم گجراتی دخیل الفاظ کے استعمال جیسی عہد وسطی کی لسانی خوبیوں کی بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔ سلطان محمود بیگڑہ کے سلسلے میں سلطنت گجرات کا قدیم ترین دستیاب کتبہ سنسکرت میں تیار کیا گیا تھا۔ ۱۴۸۸ء کے آس پاس کے اس 'داہود' کتبہ کا متن اُدے راج کی تخلیق تھی۔ چھبیس سطروں پہ مشتمل اس سنسکرت کتبے میں سلطان محمود کی سوانح اور فتوحات کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

سلطان کے دربار میں اُدے راج نام کا ایک برہمن تھا جو سنسکرت کا عالم اور شاعر تھا جسے اس نے 'مہا کوی' (شاعر اعظم) کا خطاب عطا کیا تھا۔ اسے ملک الشعر ابنائے جانے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے دربار میں اور بھی سنسکرت شعرا موجود تھے۔ اُدے راج کی قصیدہ نما سنسکرت نظم "راج وِنود مہاکاویم" کی حیثیت کسی شاہنامہ جیسی ہے جو سلطان محمود کی تعریف و توصیف میں لکھی گئی تھی۔ اسے عموماً مہاکاویہ کہا جاتا ہے جس کا استعمال سنسکرت رزمیوں کے لیے کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن نوعیت کے اعتبار سے یہ ہمارے یہاں رائج صنف قصیدہ سے زیادہ قریب ہے۔ "راج ونود مہاکاویم" کا ایک ہی نسخہ ہے جو پرنس اوف ویلز میوزیم میں محفوظ ہے جسے ۱۸۷۵ء میں پروفیسر جارج بوہلر (Georg Buhler) نے حاصل کیا تھا۔ اس میوزیم میں سلطنت گجرات کے 'داہود' کتبے بھی محفوظ ہیں۔ 'راج ونود مہاکاویم' اور 'مراۃ سکندری' میں کم و بیش سو برسوں کا فرق ہے۔ پرشورام کرشنا گوڈے کے مطابق اول الذکر کی تخلیق ۱۴۵۸ء سے ۱۴۶۹ء کے درمیان ہوئی تھی۔ (۱۱) راج ونود مہاکاویم 'کو شری گوپال ناراین بہورا کی ادارت میں جے پور کے راجستھان اورینٹل ریسرچ انسٹی چیوٹ نے ۱۹۵۶ء میں شائع کیا تھا جس میں ادے راج کے لکھے داہود کتبے کی تکمیل کا سال ۱۴۸۸ء اور مہاکاویہ کی تخلیق کا زمانہ ۱۴۶۳ء سے ۱۴۶۹ء کے درمیان متعین کیا گیا ہے۔ (۱۲) ہندوستانی مطبوعہ نسخہ بھی برسوں تک گوشۂ گمنامی میں پڑا رہتا اگر چند برسوں قبل گجرات یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی و اردو کے سابق صدر ڈاکٹر زبیر قریشی اور ان کی تحریک پہ سنسکرت کی عالمہ اور بی جے انسٹی ٹیوٹ اوف لرننگ اینڈ ریسرچ کی سابق ڈائرکٹر ڈاکٹر بھارتی شیلیت نے اس میں خاطر خواہ دلچسپی نہ دکھائی ہوتی۔ ان کی کوششوں سے احمد آباد کی شاہ وجیہ الدین اکیڈمی نے گجراتی مقدمہ کے ساتھ اس کا گجراتی ترجمہ اردو تعارف و مفاہیم کے ساتھ ۲۰۱۲ء میں شائع کیا تھا۔ (۱۳)

"راج وِنود مہاکاویم" کی تخلیق اگر ان برسوں کے درمیان ہوئی تو اُدے راج کے لکھے متذکرہ کتبے کے سال تخلیق کے مد نظر یہ پہلو بھی واضح ہوتا ہے کہ اُدے راج کئی برسوں تک سلطان کے دربار سے وابستہ رہا، اور یہ کہ

سلطان سنسکرت کا بہی خواہ بھی تھا۔ اس لحاظ سے ''مراۃِ سکندری '' کے بمقابلہ ''راج ونود مہاکاویم'' میں پیش کردہ تفاصیل سلطان کی زندگی کے شب و روز، اس کی فتوحات، سلطنت کے انتظام و انصرام کی اس کی تدبیروں وغیرہ کے معاملے میں اہم ٹھیرائی جاسکتی ہیں۔ 'راج ونود مہاکاویم' کی اہم ترین خوبی یہ ہے کہ اس میں سلطان کے وجود کو ایسی صورت میں پیش کیا گیا ہے جو مسلمانوں ہی نہیں، ہندوؤں کے لیے بھی باعث افتخار ہے۔

"راج ونود مہاکاویم "کا ذیلی عنوان 'شری محمود سُرترانَ چَرِتر' (سوانح / اوصاف سلطان محمود) ہے۔ راج ونود کو سات سَرگوں (ابواب / فصل) میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مہاکاویہ کے پہلے سرگ میں ۲۹ شلوک (پد) ہیں، دوسرے میں ۳۱، اور بقیہ پانچ سرگوں میں بالترتیب ۳۳، ۳۵، ۳۶، ۱۳۶ور ۳۷شلوک شامل ہیں۔ سبھی فصلوں کے آخری پد میں ان فصلوں کے موضوعات پیش کیے گئے ہیں۔ بنیادی موضوعات میں مظفر شاہی سلطنت کی تاریخ، سلطان محمود، اس کا دربار اور کارنامے شامل ہیں۔

پہلی فصل کے چوتھے پد کے مصرع 'پوجوپہارا ے(پوجا + اُپہار: پرستش کے لیے نذرانہ) میوپَنی تہ کَوِتوپُشپا نجلی ریش رَمیہ' (بمعنی: شاعری / نظم جیسا خوبصورت پھولوں کا نذرانہ میرے ذریعہ] آپ کی پرستش[کے لیے سوغات ہے) کے حوالے سے گوپال ناراین نے لکھا ہے کہ 'محمود کی کرپا(نوازش) پراپت (حاصل) کرنے کے لیے، سمبھوتہ (غالباً) اس کے دربار میں پرویش(رسائی) پانے کے لیے ہی یہ کاویہ لکھا گیا تھا'۔ [۱۴] یہ بیان صریحاً غلط ہے کیونکہ جب مہاکاویہ کی تخلیق ہوئی تب ادے راج محمود شاہ کا درباری شاعر بنایا جاچکا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ امر غور طلب ہے کہ مذہبی سخت گیری کے لیے بدنام محمود نے ادے راج جیسے ہندو پنڈت کی سرپرستی کیوں کی۔ مزید برآں، اس میں موجود تفصیلات ہی اس پہلو کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اسے لکھنے والا محمود سے بخوبی واقف بھی تھا۔ بہرکیف، نقطۂ نظر جو بھی اختیار کیا جائے، یہ ظاہر ہے کہ ادے راج محمود کے دربار سے کئی دہائیوں تک بحیثیت درباری شاعر وابستہ رہا۔ اس کے ثبوت کے طور پہ ادے راج کا ہی لکھا داہود کتبہ کا متن بھی ہماری تحویل میں ہے۔ گوپال ناراین کا خیال ہے کہ داہود کتبہ، جو مہاکاویہ کے دس برسوں کے بعد لکھا گیا، کی تخلیق کے بعد بھی دو دہائیوں تک ادے راج محمود کا درباری شاعر تھا۔

ادے راج سے منسوب محمود شاہ اول کے دور حکومت کا سنسکرت میں کندہ داہود کتبہ اس کے وزیر اعظم عمادالملک کے ذریعہ دودھی پدر (داہود) کے قلعہ کی تعمیر کے موقع سے خود محمود شاہ اول کے حکم سے تیار کیا گیا تھا۔ داہود قصبہ اس زمانے میں بمبئی پریزیڈنسی میں بڑودہ سے شمال مشرق میں ۷۷ میل کی دوری پہ تھا۔ شواہد کے مطابق پتھر پہ عبارتوں کی کندہ کاری ۱۶ / وکرم سموت ۱۵۴۵ مطابق شک سموت ۱۴۱۰ مطابق ۲۴ / اپریل ۱۴۸۸ء کو مکمل ہوئی تھی۔ یہ ثبوت بھی اس کی شہادت دیتا ہے کہ محمود شاہ اول سنسکرت کا مربی و محافظ ہی نہیں، دلدادہ بھی تھا۔

پرنس اوف ویلز میوزیم میں محفوظ اس کتبے کی لمبائی تین فٹ تین انچ اور چوڑائی ایک فٹ سات انچ ہے۔ اس پہ بائیس سطریں کندہ ہیں۔ داہود کتبہ کی ابتدا میں منگلاچرن کے دوران کاشمیر واسینی دیوی (سرسوتی کا ایک روپ) کے تئیں اظہار عقیدت کیا گیا ہے۔ بعد ازاں 'مدافرپات شاہ' (مظفر بادشاہ) کا بیان کرتے ہوئے سلاطین گجرات کے

سلسلے پیش کیے گئے ہیں۔ فارسی مآخذ میں موجود مظفر شاہی سلسلوں سے یہ قدرے مختلف ہے، لیکن یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔ اس کتبے میں محمود شاہ کی ۱۴۹۰ء تک کی فتوحات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ داہود کتبہ کا زمانہ محمود شاہ کی فرمانروائی کی ابتدا سے کم و بیش تیس برسوں کے بعد کا ہے اور مہاکاویہ کی تخلیق اس کی تخت نشینی سے آٹھ سے دس برسوں کے بعد ہوئی تھی۔ اس سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ ادے راج کا تعلق محمود شاہ کے دربار سے کم از کم تین دہائیوں تک یا محمود شاہ کی ۲۳ / نومبر ۱۵۱۱ء میں موت تک یا خود اس کی وفات رہا۔ داہود کتبہ کے لیے ادے راج کا انتخاب اس کی جانب بھی واضح اشارہ کرتا ہے کہ وہ سلطان کا منظور نظر بھی تھا۔ اس لحاظ سے یہ بھی قیاس کیا جاتا ہے کہ درباری شاعر ہونے کی حیثیت سے اس طویل مدت میں ادے راج نے مہاکاویہ اور داہود کتبہ کے علاوہ اور بھی تصانیف قلمبند کی ہوں گی جو ابھی پردۂ خفا میں ہیں۔

راج ونود کی سبھی فصلوں کے اخیر میں دو سطریں اس فصل کے موضوع کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔ ان میں سے پہلی سطر سب میں یکساں ہے جو درج ذیل ہے:

"اِتی شری مہاراجادھیراج جرَ بکس پات ساہ شری محمود سُرتران چرِترے"

(در اظہار عقیدت و بیان شہنشاہ زر بخش بادشاہ محمود)

اس کے بعد کی دوسری سطر سبھی فصلوں کے موضوع کا بیان کرتی ہے، جو حسب ذیل ہے:

فصل اول: راج ونودے مہاکاویے سریندر سرسوتی سمواد و نام پرتھمہ سرگہ (راج ونود مہاکاویہ کی پہلی فصل کا نام سریندر ا اور سرسوتی کا مکالمہ)

فصل دوم: راج ونودے مہاکاویے ونشانوسنگ کرتنوں نام دوِتیہ سرگہ (راج ونود مہاکاویہ کی دوسری فصل کا نام نسب نامہ)

فصل سوم: راج ونودے مہاکاویے سمبھا سا گمو نام ترتیے سرگہ (راج وند مہاکاویہ کی تیسری فصل کا نام جلوۂ جلوس شاہی)

فصل چہارم: راج ونودے مہاکاویے سرواو سرو نام چتورتھ سرگہ (راج ونود مہاکاویہ کی چوتھی فصل کا نام لمحات فراغت)

فصل پنجم: راج ونودے مہاکاویے سنگیت رنگ پرسنگ نام پنچمہ سرگہ (راج ونود مہاکاویہ کی پانچویں فصل کا نام رقص و موسیقی)

فصل ششم: راج ونودے مہاکاویے وجے یاترو تسوو نام ششٹھہ سرگہ (راج ونود کی چھٹی فصل کا نام فتوحات و محافل جشن)

فصل ہفتم: راج ونودے شری مدودے راج ویرچِتے مہاکاویے وجے لکشمی لابھو نام سپتمہ سرگہ (راج ونود کی ساتویں فصل کا نام شری ادے راج کی تخلیق مہاکاویہ نصرت و کامرانی)

اولین سرگ میں سرسوتی (اہل ہنود کے یہاں علم کی دیوی) اور اِندر (بہشت کا دیوتا) کے درمیان مکالمہ ہے جس میں سرسوتی کی زبان سے سلطان محمود کے دربار کی عظمتیں بیان کی گئی ہیں۔ دوسرے سرگ میں سلطان محمود کا نسب نامہ ہے۔ تیسرا سرگ محمود کے دربار اور اس کی جلوہ افروزی کی کیفیتیں بیان کرتا ہے۔ چوتھے سرگ میں دربار میں حاضر ہونے والے راجاؤں کا بیان ہے۔ پانچواں سرگ موسیقی سے سلطان کی دلچسپیوں کو پیش کرتا ہے۔ چھٹا سرگ سلطان کی فتوحات کا ذکر کرتا ہے اور ساتویں سرگ میں سلطان کے اوصاف حسنہ، خصائل عالیہ، رحمدلی، اور اس کی ذرہ نوازیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔

اس سنسکرت قصیدہ (سنسکرت کاویہ پرمپرا کی تخلیق) کے ابتدائی حصے کو شاعر نے 'سُریندر سرسوتی سَمواد' (اندر اور سرسوتی کا مکالمہ) لکھا ہے جس میں اندر اور سرسوتی کے درمیان مکالمے موجود ہیں، اور سرسوتی کی زبان سے سلطان محمود کے دربار کی تعریف پیش کی گئی ہے۔ شاعر اُدے راج نے سلطان محمود کو ہندو کھتری بادشاہ اور ہندوؤں کے محافظ کی شکل میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سلطان محمود کا دربار راجا اندر کے دربار سے زیادہ روحانیت کا حامل ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سرسوتی براجتی ہے۔ برہما کی بیٹی سرسوتی اپنی اقلیم سے نکل کر دنیا کی سیر کو جاتی ہے تو اس کا باپ اندر سے اسے تلاشنے کا حکم دیتا ہے۔ اندر زمین پہ چہار سو بھٹکنے کے بعد یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ سرسوتی سلطان محمود کے دربار (مندر) میں علما سے خوش گپیوں میں مصروف ہے۔ جب وہ اس سے دریافت کرتا ہے کہ اس نے برہم لوک کو خیر باد کہہ کر یہاں کیوں پناہ لے لی تو سرسوتی سلطان کے دربار کی تعریف میں رطب اللساں ہو جاتی ہے اور کہتی ہے کہ جب زمین پہ سلطان محمود جیسا بادشاہ موجود ہے تو وہ افلاک پہ رہ کر کیا کرے گی۔ اس نے زمین کو ہی علم کی دیوی کے لیے بہشت بنا دیا ہے۔ یہ محض شاہی دربار نہیں، عالموں اور فاضلوں کا مسکن بھی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں شاعری کسی بھی بندھن کے بغیر اپنے تخیل کی پرواز میں صبح و مسامگن رہتی ہے، جہاں علوم وفنون کا دریا بہتا ہے۔ سلطان کا تخت اندر کے تخت ہی نہیں، وِشنو (کملاپتی) اور کام (رَتی ولّبھ) کے تختوں سے بھی زیادہ پرُنور ہے۔ اس کا خیال ہے کہ وہاں موسیقی کی ایسی دنیائیں آباد ہیں جو کہیں اور نہیں مل سکتیں۔ سرسوتی اندر سے کہتی ہے کہ وہ اب وہاں سے لوٹنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔

دوسرے سَرگ بعنوان 'ونشانو سنکرتنہا' (ونش / نسب نامہ) میں گجراتی سلطانوں کا نسب نامہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کی ابتدا مظفر شاہ سے ہوتی ہے جسے سوریہ ونشی کہہ کر کھتری شناخت عطا کی گئی ہے۔ 'مراۃِ سکندری' میں بھی اس کے اسلاف کو ہندو 'تاک' کہا گیا ہے۔ اس کے دوسرے باب بعنوان 'ذکر سلسلۂ انساب عالی انتساب سلاطین گجرات' میں درج ہے کہ:

> اول کسیکہ از ایشان بشرف اسلام مشرف شد وبصفت ایمان موصوف گشت سھارن بودہ المخاطب بوجیہۃ الملک مشار الیہ از قوم تاک است ودر تاریخ ہنود مسطور است کہ تاک و کھتری برادران یکدیگر اندیکی ازایشان بشرب شراب رغبت نمود وراکھتریان از قوم خود اخراج نمودند وچنین مخرجی رابزبان ہندوئی تاک گویند۔ (۱۵)

(ان میں سے پہلا شخص جو مشرف بہ اسلام سے مشرف ہوا اور ایمان کی صفت سے متصف ہوا، سدھارن] سہارن[تھا جس کا خطاب وجیہ الملک ہوا۔ جس کی جانب اشارہ ہوا، وہ قوم تاک سے ہے۔ تاریخ ہنود میں لکھا ہے کہ تاک اور کھتری ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ان میں سے ایک کو شراب خواری سے رغبت تھی جسے کھتریوں نے اپنی قوم سے نکال دیا۔ ایسے آدمی کو ہندوی زبان میں تاکیا کہتے ہیں)۔

اس کے برعکس ادے راج نے مظفر شاہ کو کھتریوں کا براہ راست وارث قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ظفر خان (سلطان محمد بن ظفر خان) کالی سے معرکے میں کرشن کی مدد کے لیے دلی سے 'گُرجر دیش' (گجرات) آیا تھا۔ گجرات میں اس کی سلطنت کا قیام حکم الٰہی تھا جس کی وجہ سے مالوہ کے بادشاہ کو نجات حاصل ہوئی تھی۔ ادے راج نے اسے 'مالوہ راج بندی موکچھ' کہا ہے۔ مظفر شاہ کے بیٹے محمد شاہ کو ایسا شخص کہا گیا ہے جس کے بازوؤں میں بے پناہ طاقت تھی، جس کا وجود ہزاروں درخشاں آفتاب کی مانند تابناک تھا (سہستر بھانو پر تاپ مہا پر تاپ)۔ اس کی اس درخشانی نے دنیا سے عزلت و تنگدستی کی تاریکی کو ختم کر دیا۔

بادشاہ کی قوت کے مظاہرہ کے لیے بھوگ (بادشاہ کی ذہنی، جسمانی اور جنسی صلاحیتیں) اور سمبھوگ دونوں ہی کو مہاکاویہ کی سنسکرت روایتوں میں اہم مقام حاصل ہے۔ یہی صورت حال اس نظم میں بھی موجود ہے (اسے عموماً رزمیہ کہا جاتا ہے لیکن قصیدہ کہا جائے تو مناسب ہے)۔ ادے راج کا سلطان محمود محض جسمانی قوتوں اور اخلاقی اقدار کا اعلا نمونہ ہی نہیں، وہ بھگوان اور خدا کا نائب ہونے کی وجہ سے کئی مختلف ذمہ داریوں کا حامل بھی ہے۔ سلطان کا نسب نامہ پیش کرنے کے دوران شاعر نے اسے مُلکِ گُرجَر یعنی گجرات (گُرجَرک چھماپتی) کے بھگوان کا وارث کہا ہے اور خود سلطان کو 'گُرجَر پاتساہا' (گجراتی بادشاہ) لکھا ہے۔ سلطان کو 'مہاراجا دھیراج' (بادشاہوں کا بادشاہ) بھی کہا گیا ہے۔ وہ ایسا بادشاہ ہے جس پہ کسی کا بھی اختیار نہیں لیکن سب اس کے اختیار میں ہیں۔ اسی لیے اسے شاعر نے بار بار 'چکرورتی' (بادشاہِ مطلق) بھی لکھا ہے جس کا اختیار مکمل 'بھارت ورش' پہ ہے۔ سلطان محمود کے 'چکرورتی' ہونے کی تاریخ رقم کرتے ہوئے اسے ایسی قوت کی شکل میں دکھایا گیا ہے جس کے سامنے دنیا سرنگوں ہے، اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہے۔

اَپرنا کپاڑیا کا خیال ہے کہ یہ ایسا آخری سنسکرت مہاکاویہ ہے جس میں ایک مسلم حکمراں کو ہندو چکرورتی (فاتح عالم) کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ 'راج ونود' کا ایک بند ملاحظہ فرمائیں جس میں اُدے راج محمود بیگڑہ کے پیش رو حکمراں (۱۴۴۲۔۱۴۵۱) محمد کی تعریف و توصیف میں رطب اللساں ہے:

سوریو دِویائے کروتے جگتی پرکاشم
کَنتمِ سسی وِتیہ انوتے نِیاتم نِسایم
سری مَن محمد نارید ھپتی پر تھویم
درشٹا پر تاپاپا شاسور یگپت پرچارہ

(آفتاب تو فقط دن میں زمیں کو روشن کرتا ہے؛چاند کی تابندگی صرف رات کے لیے؛جہاں پناہ محمد کی طاقت وشہرت سے زمیں مسلسل خیرہ)۔

سرسوتی کے ساتھ ہی محمود شاہ اول کا دربار لکشمی کا گہوارہ بھی ہے۔ لکشمی خود اس میں واس کرتی ہے اور وہ کبھی بھی اپنی 'مریاداؤں' کو پار نہیں کرتا۔ اس کا وجود یوں ہے گویا:

حسن ووجاہت میں مکر دھوَج (کام دیوتا)، سخاوت میں کرن جیسا

رگھو نندن جیسا شفیق ورحمدل، میدان جنگ میں بھیم کی مماثل

فصاحت میں واک پتی، دلکش لکشمی ور (وِشنو) جیسا

دیوتا محمود شاہ پہ عوام (پرجا) جاں نثار

اس تیسری فصل بعنوان 'سبھا سا گم' میں محمود کے حمام، جلوس اور اس کے روزمرہ کے معمول کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس حصے میں اسے جا بجا 'مہیندر' (زمین کا دیوتا) کہا گیا ہے۔ موسیقی کی سریلی آواز، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور حرم کی حسین و جمیل بیگمات کے گیتوں سے اس کی صبح ہوتی ہے۔ جب وہ جاگتا ہے تو سمندر میں چاند کی شبیہ کی مانند اس کے چہرہ پہ خوشبودار پانی چھینٹا جاتا ہے اور اس کے جسم پہ کشمیر کی پہاڑیوں سے منگایا گیا مشک نافہ (کُرنگ نابھی ہی شری کھنڈ کشمیرا وِلیپا نہہ) لیپا جاتا ہے۔ فضاؤں میں کافور کی مہک رچی ہوتی ہے اور سلطان کے منھ میں پان کی خوشبو بسی ہوتی ہے۔ اس کا چوڑا سینہ (وشال وَکچھ استھل) اور 'چتُر انگ' ایسے ہیں گویا دولت کی دیوی نے انھیں اپنا ٹھکانا بنالیا ہے۔ اس کے جسم کی مکمل ساخت کے بیان کے بعد اس کی پوشاک، زیورات وغیرہ کا ذکر ہے اور پھر دربار میں جلوہ افروز ہونے کا بیان ہے۔ جب وہ تخت پہ بیٹھتا ہے تو کوئی راجا اور شعرا اپنے گیتوں میں اس کی قصیدہ خوانی کرتے ہیں۔ اپرنا کپاڑیا نے لکھا ہے کہ دربار کی تفصیل کے ساتھ ہی سلطان کے جسم، اس کے حسن وجاہت، اور تمام تکلفات کا بیان مہاکاویہ کی روایتوں کا اہم ترین حصہ ہے۔ جسمانی تفاصیل کی پیش کش کا بنیادی مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس کے ذریعہ نہ صرف اس کی رعایا بلکہ مخالفین پہ بھی اس کی برتری ظاہر کی جا سکی۔[١٦] اسی مقصد کے تحت ان تفصیلوں کے ساتھ ہی اس کی شجاعت، جوانمردی، طاقت، اسلحوں کے استعمال میں اس کے طاق ہونے کا ذکر بھی کیا جاتا تھا۔ ادے راج نے بھی اسی طرح اپنے ممدوح کی بے پایاں طاقت کی تصویر کشی کرتے ہوئے اسے کھتری بھگوانوں کی مانند شجاع بتایا ہے۔

چوتھی فصل میں ان راجاؤں کا ذکر ہے جو محمود کے دربار میں حاضر ہونا اپنے لیے باعث فخر تصور کرتے تھے۔ محمود اور اس کی سلطنت کو شاعر نے وانگا سلطنت (بانگا / بنگا سلطنت؛ گنگا کے کنارے موجودہ بنگال کی عہد آہن میں قدیم ترین سلطنت)، کے مماثل قرار دیا ہے۔ وہ ایسا سلطان ہے جسے وہ سرزمین جہاں گنگا کے ہزار چہرے ہو جاتے ہیں، مشرقی سمندر سے اسے نذرانے پیش (سمرپت) کرتی ہے، حتیٰ کہ پانڈیا سلطنت (چوتھی صدی ق م میں جنوبی ہند میں تملوں کی سلطنت) کے بادشاہ بھی سلطان کو موتیوں سے بھری چاند جیسی ہئیت والی سیپیوں کی مالا نذر کرتا ہے۔ جنوب کے بادشاہوں کی ہی مانند انگا دیش کا بادشاہ مختلف رنگارنگ پوشاک میں ملبوس اور زیورات سے سجی ہوئی

دوشیزائیں اس کی نذر کرتا ہے۔ کامروپ کا بادشاہ بھی اس کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتا ہے۔ یہی عالم مگدھیندر (مگدھ کا بادشاہ) کا ہے۔ گنگا اور جمنا جہاں ملتی ہیں اس پریاگ کا بادشاہ چمکیلے، سنہرے ظروف میں آب مقدس پیش کرتا ہے جبکہ متھرادھیناتھ (متھرا کا بادشاہ) اس کے محل کا دربان بننے میں فخر محسوس کرتا ہے۔

مختلف رجواڑوں سے محمود کے لیے بہترین نسل کے گھوڑے، ہاتھی، زیورات، مشروب اور خوبصورت عورتیں تحفے میں بھیجی جاتی ہیں۔

وِشنو (پُراری) اور کرشن (مراری) کی مانند
ورون واندر جیسا دلیر وجری
والیِٔ کشمیر (کشمیر منڈل پتی) بھی معزز شاہ محمود (شاہی محمود انرپ) کا قصیدہ خواں
جنگ وجدل میں بے مثل
تیر و تفنگ کا ماہر ہے وہ
نایاب گھوڑوں کے اس کے رسالہ کا سندھوپتی (سندھ کا راجا) نگہبان

پانچویں حصہ 'سنگیت رنگ پرسنگ' میں دربار میں موسیقی، گائیکی، رقص و سرود، عالمانہ خطبات کا ذکر کرتے ہوئے ہرنی جیسی آنکھوں والی ان حسین و جمیل دوشیزاؤں کا بیان پیش کیا گیا ہے جو طبلوں کی تھاپ پہ رقص کرتی ہوئی رقص وموسیقی کے لیے بنے اس عالیشان محل میں داخل ہوتی ہیں جہاں چہار سو رنگ برنگے خوشبودار پھول اور عود وعنبر کی خمار آلود خوشبوئیں رچی ہیں۔ اسی محل میں جنگ پہ جانے سے قبل کھتریوں جیسی اسلحوں کی پرستش کی رسم بھی ادا ہوتی ہے۔ کچھ خواتین وینا بجا رہی ہیں، کچھ بانسری، اور خود سلطان کی انگلیاں رباب سے کھیل رہی ہیں۔ موسیقی کی ان دھنوں سے مور بھی محو رقص ہیں۔ صدہا ایسے گلوکار بھی ہیں جو اپنے گیتوں کے ذریعہ سلطان اور اس کے کارناموں سے درباریوں کو محظوظ کر رہے ہیں۔ گیت اور موسیقی کے ساتھ منتخب حسیناؤں کا وہ دیوانہ وار رقص بھی ہے جس کے سامنے اندر کے دربار کی رونقیں پھیکی ہیں۔ ان سب کے درمیان سلطان جواں سال حسیناؤں سے چہلیں بھی کرتا ہے۔ ان کے جلو میں تخت نشیں سلطان 'راجین چوڑامنی' (بادشاہوں کے تاجوں کا نگینہ) اور دیوتاؤں جیسا ہے۔ پروفیسر زبیر قریشی نے اس فصل کا مفہوم یوں پیش کیا ہے:

> "مردنگ کی آواز کے ساتھ، پائل کی جھنکار سے اپنے وجود کی خبر دیتی ہوئی غزالہ چشم نازنینیں موسیقی کے شامیانے میں حاضر ہوتی ہیں۔ قصر شاہی میں شش جہت عود اور پھولوں کی خوشبو اس قدر پھیلی ہے کہ اس نے کھڑکیوں سے نکل کر ہواؤں کے ذریعہ آسمان تک فضا کو معطر کر دیا ہے۔ تابدار زیوروں سے آراستہ، اپنے لباس میں جڑے ہوئے آبدار موتیوں کی کرنوں سے تاریکیوں کو چیرتی ہوئی شہر کی معزز خواتین جگمگاتے دیپکوں سے سلطان کی آرتی اتارتی ہیں۔ لبوں پہ تبسم کے تیر اور ابرو میں دشنۂ غمزہ لیے ایک تنوی یعنی نازک میاں دوشیزہ، جس کے ہاتھوں پتیوں کی طرح نازک ہیں، کامدیو کی

کلپتا بیل کی طرح سرعت سے رقص کر رہی ہے۔ ایک رقاصہ ذرا دم لینے بیٹھتی ہے تو دوسری رقاصہ اس فن میں اپنی مہارت دکھانے کے لیے بیتاب نظر آتی ہے۔۔۔ یہ رقاصائیں ابھینے بھی کرتی ہیں، کوئی کلاوتی راگ گا رہی ہے تو کوئی کدمبک"۔(۱۷)

مہاکاویہ کی چھٹی فصل میں جشن فتح اور محمود کی قوت و شجاعت اور نیرومندی کی تصویر کشی کے ساتھ ہی شاہی جلوس کے کروفر اور شان و شوکت کی تفصیلیں پیش کی گئی ہیں۔

گوپال نارائن کا خیال ہے کہ اس مہاکاویہ کے ذریعہ کئی تاریخی واقعات اور محمود کی سیرت پر تو روشنی پڑتی ہی ہے، شاعر نے تقاضائے وقت کے مطابق موضوع کا انتخاب کر کے سنسکرت کاویہ کی روایت کی لڑی میں ایک کڑی جوڑنے کا اعزاز بھی حاصل کیا۔(۱۸) مہاکاویہ جس طرح سلطان محمود کو ایک کٹر ہندو راجا اور ہندوؤں کے مذہبی امور کے محافظ کی شکل میں پیش کرتا ہے اس کی بنیاد پہ ڈاکٹر بوہلر (Georg Buhler) نے ۱۸۷۵ء میں اس کے تعارف میں اسے 'ادبی مزاح' قرار دیا تھا۔ لیکن پچھلے چند برسوں میں جو تحقیقات منظر عام پہ آئی ہیں ان میں 'راج ونود مہاکاویم' کو سلطان محمود سے متعلق اہم دستاویزی بیان تصور کیا گیا ہے جس کی مدد سے نہ صرف یہ کہ سلطان کی ایک نئی شبیہ ابھرتی ہے، گجرات کی سنسکرت شعری روایات پہ مسلم سلاطین و امرا کے اثرات کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔ اس مہاکاویہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سنسکرت نے بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ اسلامی روایات اور لفظیات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا۔ اس میں ایسے کئی الفاظ موجود ہیں جو سنسکرت اور اردو / عربی / فارسی کے اختلاط کی مثال کے طور پہ پیش کیے جا سکتے ہیں، مثلاً، 'جر بکت پاتساہ' (زر بخت بادشاہ)، 'ساہی مُدفریندر' (شاہ مظفر)، 'سُرتران (سلطان) وغیرہ۔

Luther Obrock نے اس مہاکاویہ کے سلسلے میں یہ اظہار خیال کیا ہے کہ

> یہ مہاکاویہ دراصل اس تصور کو پوری طرح رد کر دیتا ہے کہ تیرھویں صدی میں ترک مسلم حکمرانوں کے عہد بادشاہت میں سنسکرت مردہ ہو گئی تھی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سنسکرت کو طبقۂ اشرافیہ کے درمیان پھلنے پھولنے کے کئی مواقع میسر آئے۔ یہ الگ معاملہ ہے کہ وہ سنسکرت اسلامی تصورات، اسلامی متون اور اسلامی روایات کی پاسداری بھی کر رہی تھی۔(۱۹)

مزید برآں، اس مہاکاویہ میں سلطان کے سلسلے میں بیشتر معلومات ایسی ہیں جن کی توثیق 'مراۃ سکندری' اور دیگر فارسی مآخذ سے بھی ہوتی ہے۔ اوبروک بجا طور پہ اسے مسلم مہاکاویہ کہتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سکندر ابن محمد (منجھو ابن اکبر)، مراۃ سکندری، مطبع فتح الکریم، بمبئی، ۱۳۰۸ھ۔ ص ۱۷۔

۲۔ ایضاً۔ ص ۶۷۔

۳۔ ایضاً۔ ص ۱۷۔

۴۔ محبوب حسین احمد حسین عباسی، گجرات کے علمائے حدیث وتفسیر، احمد آباد، ۲۰۰۳، ص ۴-۵

۵۔ Butler, Samuel. Hudibras (Vol II). London: Charles & Henry Baldwin. 1819. p. 66

۶۔ M.A. Chaghatai, "A Manuscript of the Mirat-i-Sikandari", Bulletin of the Deccan College Research Institute, Volume IV (1942-1943), Poona. Pp. 128-129

۷۔ Aparna Kapadia, Text, Power and Kingship in Medieval Gujarat, Thesis for the Degree of Doctor Philosophy, University of London. 2010. p. 124

۸۔ Samira Sheikh, Bilingual Inscriptions from Gujarat, c. 1400-1500: Some preliminary observations, SOAS, London: SOAS. p. 1

۹۔ Aparna Kapadia, Gujarat: The Long Fifteenth Century and the Making of a Region, Cambridge University Press, New Delhi, 2018, p. 101

۱۰۔ Aparna Kapadia, (2010). ibid. p. 125

۱۱۔ P. K. Gode, Dates of Udayaraja and Jagaddhara. Journal of the University of Bombay, IX (NS), 2, 1940. p. 104

۱۲۔ شری گوپال ناراین بہورا، راج ونود مہاکاویم، راجستھانپراتن شیو، مندر، جے پور، ۱۹۵۶۔ ص ۶۔

۱۳۔ یہ کتاب کمیاب ہے۔ راقم پروفیسر زبیر قریشی صاحب، سابق صدر، شعبہ اردو وفارسی، گجرات یونیورسٹی، احمد آباد اور ان کے دوست جناب زُوبن پولرا کا ممنون ہوں جن کی عنایتوں سے اس کتاب کا عکس حاصل ہو سکا۔

۱۴۔ بہورا، شری گوپال ناراین۔ ایضاً۔ ص ۷۔

۱۵۔ سکندر ابن محمد (منجھو ابن اکبر)۔ ایضاً۔ ص ۵۔

۱۶۔ .Kapadia, Aparna. (2010). ibid. p. 190

۱۷۔ سکندر ابن محمد (منجھو ابن اکبر)۔ ایضاً۔ ص ۷۔

۱۸۔ بہورا، شری گوپال ناراین۔ ایضاً۔ ص ۱۰۔

Luther Obrock, Muslim Mahakavyas in Text and Tradition in Early Modern India (Eds. Tyler Williams, Anshu Malhotra & John Stratton Hawley), OUP, New Delhi, 2018, p. 59 ۱۹۔

References in Roman Script:

1. Sikabdar Ibn Muhammad (Manjhoo Ibn Akbar), Mirat Sikandari, Matba Fateh Alkarim, Bombay, 1308, Page71.
2. Ibid, Page 76
3. Ibid, Page 17
4. Mehboob Hussain Ahmed Hussain Abbasi, Gujrat k Ulmaey Hadish wa Tafseer, Ahmedabad, 2003, Page 4-5
5. Butler, Samuel. Hudibras (Vol II). London: Charles & Henry Baldwin. 1819. p. 66.
6. M.A. Chaghatai, "A Manuscript of the Mirat-i-Sikandari", Bulletin of the Deccan College Research Institute, Volume IV (1942-1943), Poona. Pp. 128-129.
7. Aparna Kapadia, Text, Power and Kingship in Medieval Gujarat, Thesis for the Degree of Doctor Philosophy, University of London. 2010. p. 124.
8. Samira Sheikh, Bilingual Inscriptions from Gujarat, c. 1400-1500: Some preliminary observations, SOAS, London: SOAS. p.1.
9. Aparna Kapadia, Gujarat: The Long Fifteenth Century and the Making of a Region, Cambridge University Press, New Delhi, 2018, p. 101.
10. Aparna Kapadia, (2010). ibid. p. 125
11. P. K. Gode, Dates of Udayaraja and Jagaddhara. Journal of the University of Bombay, IX (NS), 2, 1940. p. 104.
12. Shari Gopal Naraen Bahura, Raj Wanood Mahakawem, Rajishtan Puratn Mandar, Jaypur, 1956, Page 6.

13. Yeh Kitab Kamyab hy. Raqim Prof. Zubari Qureshi Sahib, Sabiq Sadar Shoba Urdu wa Farsi, Gujrat University, Ahmedabad or un k dost Janab Zubin Polar aka mamnoon hy jin ki anayato sy is kitab ka akas hasil ho saka.
14. Bahora, Shari Gopal Narain, Ibid, Page 7.
15. Sikandar Ibn Muhamad (Manjhoo Ibn Akbar), Ibid, Page 5.
16. Kapadia, Aparna. (2010). ibid. p. 190
17. Sikandar Ibne Muhammad (Manjhoo Ibn Akbar) Ibid, Page 7
18. Bahura, Shari Gopal Narain, Ibid, Page 01